جنگِ آزادی کا مجاہد

(مولوی احمد اللہ شاہ فیض آبادی)

از جناب ہدایت الرحمٰن صاحب محسنی۔

(۲)

اس بار یہ کام مولوی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ تاریکی روشنی میں بدلنے لگی تھی۔ محب وطن مولوی کی شخصیت اور اس کی جادو بیانی نے انقلابیوں کے دلوں میں عمل کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ ساتھیوں کو یقین ہو چلا تھا کہ اب بھی انگریزوں سے بھگایا جا سکتا تھا اس ضرورت کا احساس بھی پیدا ہو گیا تھا کہ مہم کو سر کرنے کے لیے اعتماد اور اتحاد سے کام کرنا ضروری ہے۔ مولوی نے دوسری طرف دربار کو باور کرایا کہ فوج میں ضروری تنظیم موجود ہے۔ پھر بھی وہ مخالفین اور ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئے بغیر نہ رہے، دربار میں کچھ نااہل لوگ ان کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر جلنے لگے تھے۔ انھوں نے سازش کر کے مولوی کو گرفتار کرا دیا۔ مگر مولوی کا اثر فوج میں حضرت محل سے کہیں زیادہ تھا اور خصوصاً دہلی سے آئی ہوئی افواج تو ان کے حکم کو حرف آخر سمجھتی تھیں آخر کار کچھ خیر سگال لوگوں نے حضرت محل پر زور ڈال کر مولوی کو آزاد کرا دیا۔ جلد ہی ان کے اثر و رسوخ پہلے کی طرح ہو گئے۔

مولوی احمد اللہ سے آئندہ مہم کے لیے فوجی طاقت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا "کامیابی کا زرّیں موقع نکل چکا ہے۔ اب حالات کافی پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ اب تو صورت حال یہ ہے کہ ہم کو محض اس لیے لڑنا ہے کہ یہ ہمارا اولین فرض ہو گیا ہے"

ہمیشہ کی طرح اب بھی مولوی کے خلوص اور جذبۂ ایثار کا عوام میں گہرا اثر تھا۔ اس سے فائدہ

اشارہ کر انھوں نے افواج کی باہمی چپقلشوں کو بہ سہولت حل کرا دیا۔ پھر سپاہ میں ملک کی آزادی کا جذبہ کچھ اس طرح ابھارا کہ سپاہی دروازہ پہ کھڑے ہوئے دشمن کے مقابلہ کو فوراً تیار ہو گئے۔

اس مردِ میدان نے صرف یہاں تک ہی بس نہ کی۔ وہ میدانِ جنگ میں بنفسِ نفیس سپاہیوں کے دوش بدوش رہ کر لڑتے جس سے ان میں حوصلہ۔ اعتماد اور جانبازی کے جذبات کی پرورش ہوئی۔

جب بھی ہندوستانی عالم باغ پر دھاوا بولتے مولوی کی جگہ ہمیشہ پیش رو دستہ کے ساتھ ہوتی ۲۲ر دسمبر کو مولوی نے ایک منصوبہ بنایا تا کہ عالم باغ کی انگریزوں کی فوج کو دھوکا دے کر گھیرا جائے۔ انگریزوں کی مورچہ بندی کے سامنے سے وہ کترا کر راستہ بدلتے ہوئے کانپور کی سڑک پر ہو لیے، اور باقی ماندہ فوجی دستوں کو جو عالم باغ پر تعینات تھے یہ بتلا گئے کہ ان کو انگریزوں پر سامنے سے حملہ کرنا چاہیے مگر اس وقت جب خود ان کا دستہ انگریزوں کے عقب میں پہنچ جائے۔ فوجی اعتبار سے یہ منصوبہ بہت مکمل تھا، مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ عالم باغ کے انقلابی سپاہی نظم و نسق قائم نہ کر سکے اور حملہ کے مقررہ وقت سے پہلے ہی بیٹھ دکھا گئے۔ انقلابیوں کو شکست ہوئی اور مولوی کی ترکیب رائگاں گئی۔

اس قسم کی رکاوٹوں کے باوجود مولوی احمد شاہ کے پائے استقامت میں کبھی کمزوری نہ آئی۔ ۱۵ر جنوری کو خبر ملی کہ انگریزوں کی فوج کانپور سے نکل چکی ہے اور لکھنؤ کی طرف بڑھ رہی ہے، یہ فوج عالم باغ کی انگریز فوج کے لیے رسد لا رہی تھی، انقلابی کیمپ میں اس امر پر غور و فکر ہوا کہ اس مدد کو منزل پر پہنچنے سے کس طرح روکا جائے۔ بات ہوتی رہی مگر کوئی طریقۂ کار طے نہ کیا جا سکا۔ ساتھیوں کی اس بزدلی اور بے اثری سے عاجز آ کر مولوی نے باوازِ بلند اعلان کیا۔ " واللہ میں انگریز فوجوں کو چیر کر لکھنؤ میں داخل ہوں گا،

اور آنے والے غنیم کا مددگار دستہ میری حراست میں ہوگا۔" اس اعلان کے بعد خاموشی اور راز داری سے وہ فوج کا ایک دستہ لے کر کانپور کی طرف چل دیے۔

ہوپ گرانٹ کو اس اقدام کی ہندوستانی مخبروں کے ذریعہ اطلاع مل چکی تھی اور اس نے ایک اپنا فوجی دستہ مولوی پر حملہ کرنے روانہ کر دیا تھا۔ مقابلہ ہوا۔ سپاہ کی ہمت بڑھانے کے لیے مولوی برابر صف اول میں شریک جنگ رہا۔ مقابلہ میں اس کے شانہ پر گولی لگی اور وہ نیچے گر گیا۔ انگریزوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ کافی دنوں سے وہ مولوی کو گرفتار کرنے کے آرزومند تھے اور انھیں یقین تھا کہ آج وہ دن آگیا ہے۔ مگر انقلابیوں نے بے حد ہوشیاری سے مولوی کو ڈولی میں چھپا کر لکھنؤ پہنچا دیا۔ شہر میں مولوی کے زخمی ہونے کی خبر بجلی کی طرح کوند گئی ہر حریت پسند دل گرفتہ نظر آنے لگا۔ تاہم لوگوں کا جذبہ یہ تھا کہ مولوی کی عظمت کے اعتراف کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ وقت ضائع کیے بغیر ان کا کام جاری رکھا جائے۔ چنانچہ فوراً ایک بہادر برہمن دیبی ہنومان کی کمان میں ایک فوج روانہ ہوئی اور انگریز فوج پر جا پڑی۔ یہ بہادر کمانڈر صبح دس بجے سے شام کے چھ بجے تک اپنی بہادری کے کرشمے دکھاتا رہا جب یہ مہلک طور پر زخمی ہو کر گرا اور گرفتار ہو گیا، انقلابی فوج ہزیمت خوردہ اور پریشان حال لوٹی۔

ابھی مولوی احمد شاہ کا زخم پوری طرح بھر بھی نہ پایا تھا کہ ۵ر فروری کو وہ پھر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اُن کی ساری توجہ اس امر پر مرکوز تھی کہ سر کالن کے پہنچنے سے پہلے پہلے اوٹرم کا کیوں کر تیا پانچہ کیا جائے۔ مشکل یہ تھی کہ دن بدن سپاہی دل چھوڑتے جا رہے تھے۔ اور جگہ جگہ لڑائی میں ہار رہے تھے۔ پھر بھی وہ ناکامی کے باوجود لڑ رہے تھے۔ ان حالات میں بھی مولوی کے قدم بغیر لغزش کے اٹھ رہے تھے۔ مورخ ہومس (Holmes) اس مرد میدان کی شجاعت و استقلال کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

اس [illegible] ان کا لیڈر احمد شاہ [illegible]

[illegible] کی کثرت [illegible] ہو چکی تھی [illegible] منصوبہ

[illegible] تو انا [illegible] کسی کی [illegible]

مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کی اب بھی صلاحیت رکھتا تھا اور بڑی سے بڑی فوج کی قیادت سے عاری نہ تھا۔"

انقلابیوں کی ساٹھویں رجمنٹ کے صوبہ دار نے اس عہد کا اظہار کیا کہ ایک ہی مقابلہ میں وہ انگریزوں کا لکھنؤ سے صفایا کر دے گا۔ خود بیگم حضرت محل اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ میدان میں اتر آئی تھیں۔ مگر پھر بھی بدنصیب لکھنؤ آزادی سے محروم رہا۔

> آخری معرکے اور ہیرو کی شہادت
> [illegible] کی کتاب کے تیسرے حصہ، نویں باب سے اقتباسات

لکھنؤ کی شکست کے بعد پورے روہیلکھنڈ اور اودھ کی سرزمین پر کوئی ایک ایسا محفوظ گڑھ نہ رہ گیا تھا جہاں مجاہدین کی طاقت کو یکجا کیا جاتا۔ برطانوی فتح کے سیلاب کے ریلے میں جنہار اور دوآب تو پہلے ہی غرق ہو چکے تھے۔ ان صوبوں سے دھکیل کر انقلابی عسکریت کو اودھ اور روہیلکھنڈ کے مختصر سے مختصر دائرہ میں گھیرا جا رہا تھا۔ قلعہ بندی کی کوئی صورت باقی نہ تھی جو مدافعت کے لیے انقلابی کہیں پیر جما سکتے۔ اوپر سے غنیم کی فوجوں کا چار سمت سے دباؤ بڑھ رہا تھا۔ اس بنا پر انقلابیوں کو مجبور ہو جانا پڑا کہ وہ دو بدو جنگی کارروائیوں کو ترک کریں اور گوریلا حملوں کا طریقہ اختیار کریں۔ اگر شروع ہی سے وہ یہ راستہ اپنا لیتے تو کامیابی کے امکانات کئی گونہ بڑھ سکتے تھے۔ پھر بھی دیر آید درست آید کے مقولہ کے مطابق اب یہ طریق عمل اختیار کرنا پڑا۔ تاہم اب یہ بات کچھ پوشیدہ نہ رہ گئی تھی کہ فتح حاصل کرنا مشکل تھا۔ پھر بھی انقلابیوں کے کیمپ میں حالات کی نزاکت کا اندازہ ہونے کے باوجود شکستہ خاطری کے اثرات نظر نہ آتے تھے۔ بظاہر ابھی ان کے ہتھیار رکھنے یا محاذ کو چھوڑ بھاگنے کا کوئی امکان نہ تھا اس لیے اودھ اور روہیلکھنڈ کے سرداروں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آزادی کی جنگ کو گوریلا حملوں کے ذریعہ جاری رکھا جائے گا۔ لہٰذا فوجوں کو ہر جگہ یہ احکامات پہنچا دیئے گئے کہ وہ انگریزوں کی افواج سے بالمقابل معرکہ آرائی سے گریز کریں کیونکہ ان کی عسکری تنظیم بہتر، منضبط [illegible] اور ان کے پاس توپوں کی بہتات تھی۔ انقلابیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ پوشیدہ رہ کر دشمن کے [illegible]

دریائی کے بالائی ساحلوں کی حفاظت کریں۔ ان کے لیے وسائل کو درہم برہم کرتے رہیں جن سے رابطہ قائم رکھنے اور رسد پہنچانے کی تنظیم مراد ہو مزید برآں جہاں تک اہم خطرات کے بغیر ممکن ہو ان کی چھاؤنیوں کی نگہداشت کا کام کرتے رہیں۔ اس طرح مد مقابل کی مشکلات کو زیادہ سے زیادہ پر صعوبت بنانا مقصود تھا۔

مولوی احمد شاہ نے فوری طور پر ان احکامات کی تعمیل کا اہتمام شروع کر دیا۔ انگریزوں کے لکھنؤ کیمپ پر کڑی نگرانی کے لیے انھوں نے اپنا کیمپ باڑی کے مقام پر قائم کیا یہ جگہ انگریزوں کے پڑاؤ سے ۲۹ میل کے فاصلہ پر تھی، پاس ہی چھ ہزار فوج کے ساتھ بیگم حضرت محل کا پڑاؤ بیتا ؤلی پر تھا اس کارروائی کی اطلاع پا کر اور ان دونوں انقلابی اڈوں کو تہس نہس کرنے کی غرض سے ہوم گرانٹ لکھنؤ سے چلا۔ اس کے ساتھ تین ہزار بہترین تربیت یافتہ سپاہی اور ایک مضبوط توپ خانہ تھا۔ اُس نے پہلے باڑی کی طرف رُخ کیا۔ اس سلسلہ میں اگلے ہی دن ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا جس سے انقلابی اسکاؤٹوں کی بہادری اور پختہ کاری کا ثبوت ملتا ہے۔ مولوی نے اپنے چند اسکاؤٹوں کو یہ خدمت سپرد کی کہ وہ انگریزوں کی بڑھتی ہوئی فوج کے نقل و حرکت کے بارہ میں صحیح حالات کا پتہ چلائیں۔ یہ اسکاؤٹ رات میں خاص برطانوی کیمپ کے اندر داخل ہوئے۔ انگریز پہرہ دار نے ان کو چیلنج کیا "کون جاتا ہے؟" بے پرواہی سے جواب ملا "ہم ہیں، بارھویں رجمنٹ کے لوگ" یہ جواب ایک طرح لفظ بلفظ صحیح بھی تھا کیوں کہ یہ لوگ اسی رجمنٹ کے باغی سپاہی تھے۔ پہرہ دار کو ان تفصیلات کا ہوش کہاں تھا۔ ان لوگوں کے بے پروا بے قدموں کی آواز۔ صاف اور سادہ برتاؤ اور بے دھڑک جواب نے گارڈ کے شبہات رفع کر دیے اور اس نے یہی کہا "ٹھیک ہے" اس طرح یہ مختصر جماعت انگریزوں کے کیمپ میں داخل ہو کر بہ سہولت ضروری معلومات حاصل کرنے میں کامیاب رہی اور صبح ہوتے اپنے آقا کے سامنے مکمل رپورٹ پیش کر سکی۔

انگریزوں کے ارادوں سے آگاہی حاصل ہو جانے پر مولوی نے اپنا لائحہ عمل طے کیا مختصر

یہ تھا کہ پیدل دستے کے ساتھ مولوی تو اس گاؤں میں ٹھہر یں گے اور سواروں کا رسالہ چھپ کر آگے بڑھ جائے گا اور جب غنیم کا پیش رو دستہ مولوی کے قریب پہنچ جائے گا تو یہ گھوم کر برابر یا پیچھے سے حملہ آور ہو گا۔ انگریز وقائع نگار مالیسن لکھتا ہے کہ "یہ فیصلہ مولوی کی ذہانت اور فوجی سوجھ بوجھ کا بین ثبوت ہے اور ان کے فن حرب کی مہارت کی بہترین مثال ہے۔"

تاہم اس زرّیں منصوبہ کی کامیابی کے لیے دو اہم شرائط تھیں۔ اول یہ کہ گاؤں میں مولوی کی فوج کی موجودگی راز میں رہے۔ دوسرے یہ کہ گھوڑے سوار دستہ جس کو دشمن پر پیچھے یا برابر سے وار کرنا تھا وقت سے پہلے اپنی نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھے۔ ورنہ دشمن قبل از وقت چوکنا ہو سکتا تھا۔ مولوی کا جہاں تک تعلق تھا ان کا انتظام مکمل تھا۔ انھوں نے رات ہی سے گھوڑے سوار دستہ کو طے شدہ راستہ پر روانہ کر دیا تھا۔ خود انھوں نے گاؤں کو مکمل طور پر قبضہ میں کر لیا تھا اور اپنی فوج کو پوشیدہ کمین گاہوں پر تعینات کر دیا تھا۔ یہ سب کام اتنے راز دارانہ طور پر کیے گئے کہ اگلے دن صبح ہوتے ہی برطانوی جنرل کسی ادنیٰ شبہ کے بغیر دریا کے کنارے بڑھتا ہوا نظر آیا۔ بس اب صرف آدھے گھنٹہ میں وہ مولوی کے جال میں پھنسا چاہتا تھا جب اس کی تباہی یقینی تھی۔ مگر اسی آدھے گھنٹہ کے بیچ مولوی کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اور اس ناکامی کا ذمہ دار گھوڑے سواروں کا دستہ تھا۔ جب یہ دستہ مناسب مقام پر کھڑا تھا جہاں سے انگریزوں کی گذرتی ہوئی فوج متعینہ وقت پر پوری زد میں آسکتی تھی۔ کمانڈر نے دیکھا کہ غنیم کی چند توپیں بغیر حفاظت کے اُن کے سامنے رُکی ہوئی ہیں۔ یہ مولوی کی ہدایت کی نزاکت کو فراموش کر کے اس کے مال غنیمت کی طرف بڑھ گیا اور توپوں کو قبضہ میں کر لیا۔ انگریزوں نے اپنی توپیں تو جلد ہی واپس لے لیں مگر اپنے خطرہ کا بھی پورا اندازہ کر لیا۔ بہر حال ہلکے سے تصادم کے بعد انقلابیوں کی فوج کو گاؤں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔

پہلی اپریل ۱۸۵۸ء تک گوروں کی فوج کی تعداد بڑھ کر تقریباً ۹۶ ہزار تک جا پہنچی تھی۔ مزید برآں انگریزوں کی ساتھی سکھوں کی وفادار فوج بھی کافی تھی۔ جیساکہ پہلے بتلایا جا چکا ہے ہوم گرانٹ بڑی تعداد میں فوج لے کر بارڑی اور بتولی کی طرف مارچ کر رہا تھا۔ والپول کو حکم دیا جا چکا تھا کہ وہ جمنا کے شمال میں پہنچ جائے۔ اس طرح یہ فوجیں اور خود کمانڈر ان چیف کے زیر کمان فوج ایک ساتھ بڑھ رہی تھیں تاکہ انقلابیوں کے آخری سپاہی کو شمال کی جانب دھکیل کر روہیلکھنڈ میں پہنچا دیں اور وہاں ان سب کو گھیر کر ایک ہی مقام پر ختم کر ڈالیں۔ اسی اسکیم کے مطابق والپول رُدیا (Ruiya) تک آچکا تھا اور وہاں کے قلعہ پر زور آزما رہا تھا۔ یہ جگہ لکھنؤ سے کل ۵۱ میل پر تھی۔ اس قلعہ کا مالک نرپت سنگھ معمولی سا جاگیر دار تھا۔ اس کی حفاظتی طاقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ جس قدر ہو سکا اس نے جم کر مقابلہ کیا۔ لڑائی میں والپول کا مددگار جنرل ہوپ مارا گیا جس کو انگلستان میں نقصانِ عظیم کا درجہ دیا گیا۔ بہرحال نرپت سنگھ انگریزوں کی مضبوط فوج کے سامنے اس سے زیادہ کیا کر سکتا تھا۔ اپنی مٹھی بھر فوج کی جان بچانے کے لیے قلعہ چھوڑ کر چل دیا۔

یہ ایک مثال تھی کہ کس طرح انگریزوں نے سب دن کے ساتھ بڑی بڑی فوجی ڈویژنوں کو تقریباً نہتے انقلابیوں پر استعمال کر کے ان کو اودھ کے گوشے گوشے سے نکال باہر کیا، وطن کے یہ بچے ہوئے سپاہی پناہ کے لیے ہر طرف سے روہیلکھنڈ میں داخل ہونے لگے۔ اپنے شکار کو ٹھیک نشانہ پر پاکر انگریز کمانڈر ان چیف نے فوج کی مختلف رجمنٹوں کو یکجا کیا اور روہیلکھنڈ کی طرف مارچ کر دیا۔

انقلابیوں کے سب لیڈر شاہجہاں پور میں جمع ہو چکے تھے۔ ان میں کانپور کے ناناصاحب اور مولوی فیض آبادی بھی تھے۔ یہ دونوں وہ تھے جنھوں نے اپنی انقلابی کارروائیوں سے انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ وہ ان کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تنگ آچکے تھے مگر یہ دونوں ابھی تک اسی طرح چست اور تازہ دم معلوم ہوتے تھے۔ کئی بار انگریزوں کے چنگل میں آتے آتے حیرت انگیز

طور پر نکل بھاگے تھے۔ اس بار جب سر کالن کو یہ خبر ملی کہ دونوں ناقابلِ تسخیر رہنما پھر اس کی زد میں ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں اور شاید اس کی آمد سے بے خبر ہیں تو اس نے شہر کو گھیر لینے کا منصوبہ بنایا۔ جب اس نے شہر کے محاصرہ کے انتظامات مکمل کر لیے تو معلوم ہوا کہ دونوں چڑیاں اڑ چکی ہیں۔ قدرتی طور پر سر کالن حیرت زدہ رہ گیا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ انقلابی رہنما اسی جانب سے فرار ہوئے تھے جہاں خود سر کالن اور اس کا دستہ حفاظتی گارڈ کا کام کر رہے تھے۔

شاہجہاں پور میں سر کالن اپنے ارادوں میں ناکام رہا۔ اب اس نے سوچا کہ تھوڑا آگے بڑھ کر بریلی کی خبر لی جائے۔ اس نے شاہجہاں پور میں چار توپوں کے ساتھ ایک فوجی دستہ کو تعینات کیا اور خود بڑی تعداد میں فوج لے کر ایک دن کا سفر کر کے وہ ۴ مئی کو بریلی آ پہنچا یہاں خان بہادر خاں روہیلہ کے مضبوط فوجی انتظام کے باعث ابھی تک انقلابیوں کا تسلط قائم تھا۔ دہلی اور لکھنؤ کے ہزیمت خوردہ انقلابی سب اس طرف بھاگے آ رہے تھے۔ دہلی کا بہادر شاہزادہ فیروز شاہ۔ شری مان نانا صاحب فرنویس۔ مولوی احمد شاہ۔ شری مان بالا صاحب بیگم حضرت محل۔ راجہ تیجا سنگھ اور دوسرے باغی رہنما روہیلکھنڈ میں داخل ہو کر اس کے پایۂ تخت بریلی میں پہنچ چکے تھے اب صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں آزادی کا پھریرا لہرا رہا تھا۔ یہی وہ خاص وجہ بھی تھی کہ سر کالن اس شہر کے درپے تھا۔

ہندوستانی کیمپ میں ایسا کوئی منصوبہ نہ تھا اس شہر میں جنگ کا اہتمام کریں، آزادی کے رہنماؤں نے پہلے ہی تہیہ کر لیا تھا اور اس کا اعلان بھی ہو چکا تھا کہ غنیم کے مقابلہ میں گوریلا طریقۂ جنگ استعمال کیا جائے گا۔ یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ شہر کو خالی کر کے مجاہدین روہیلکھنڈ میں پھیل جائیں گے۔ اس ضمن کی تیاریاں ہو رہی تھیں صرف آخری اقدام کا اعلان ہونا باقی تھا۔ مگر جب بہادر روہیلوں نے بدقماش فرنگیوں کی صورت دیکھی تو اکثریت نے شہر خالی کرنے سے انکار کر دیا اور تہیہ کیا کہ اس آخری موقع پر اپنے ملک اور مذہب کی خاطر

جانوں کی قربانی دیں گے۔

انگریز جنھوں نے شہر کا محاصرہ شروع کیا تھا عسکری اعتبار سے بہت مضبوط تھے مسلح توپخانہ اور سازو سامان [illegible] بڑی قوتیں۔ [illegible] اور دیکھنے میں [illegible] [illegible] نے اپنے [illegible] نظم اور تربیت یافتہ دکھائی دیتے تھے [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible] افسر کے [illegible] سب نوک و احتشام کے ساتھ خان بہادر خان کی [illegible] بے حقیقت تھے نتیجہ

۵ ستمبر کو جب تصادم ہوا تو انقلابیوں کی [illegible] اللہ اللہ کی تلواریں بجلی کے جوہر دکھانے میانوں سے باہر تھیں۔ ان تلواروں کو سینے سے انسانوں کے ہاتھ نہ تھے بلکہ ان کا جذبۂ شہادت تھا جو ان کے مسکراتے چہروں کو موت کے آغوش میں لے جا رہا تھا۔ ان کے دلوں میں نہ مغلوب ہونے والا ایمان تھا کہ ان کا مقصد عظیم اور مقدس ہے۔

تلواریں لیے وہ ایک بلائے ناگہانی کی طرح انگریز فوج پر ٹوٹ پڑے۔ ان چند سر پھرے دیش کے سپاہیوں کے جانبازانہ حملہ سے، حیران اور پریشان برطانوی سپاہی ایک بار تو ان کے ریلے روندے ہی گئے۔ ۴۲ ہائی لینڈرز کی ٹکڑی نے اس طوفان کو روکنے کی ناکام کوشش کی مگر موت سے کھیلنے والے یہ جانباز آگے سے آگے بڑھتے گئے اور انگریزی دل کی عقبی قطار تک جا پہنچے۔ پھر..... ان میں سے ایک بھی نہ لوٹا۔ سب لڑتے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ وہ شیروں کی موت مرے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی ان میں سے کسی کے دل میں ہتھیار ڈالنے یا مورچہ چھوڑنے کا خیال نہ آیا تھا۔ ساتھیوں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک مجاہد بغیر زخم کھائے بھی گرا تھا۔ کیا یہ بزدلی تھی؟ اس کا جواب ابھی ملا جاتا ہے۔ لو، وہ انگریزی فوج کا کمانڈر اس مقام پر پہنچا چاہتا ہے جہاں یہ غازی مشتبہ حالات میں گرا تھا۔ یہ شخص ایک جست میں لاشوں کے بیچ میں سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کمانڈر پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس وقت ایک وفادار سکھ سپاہی اس خطرہ کو دیکھ کر بیچ میں آ جاتا ہے اور خنجر کے ایک ہی

مار دی اس سپاہی کا سر تن سے جدا کر دیتا ہے۔ شہادت اور شجاعت کی چند لافانی داستانوں میں سے یہ وہ داستان ہے جس کی مثال اور سب پہ بھاری ہے (وہ یہ سادر کرنے یہ واقعہ رسل کی ڈائری سے لیا ہے)

برطانوی فوج کی یہ کوشش کہ وہ باقی ماندہ مجاہدین اور ان کے رہنماؤں کو گرفتار کرلیں۔ ایک بار پھر ناکام رہیں۔ خان بہادر خان کی سرکردگی میں یہ لوگ ۷ رمئی ۱۸۵۸ء کو شہر خالی کر کے بریلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

چند روز بعد، خان بہادر خان کے یوں چال دے کر نکل جانے پر سر کالن کیمبل گو افسردہ مگر بریلی فتح کر لینے پر مطمئن اور سر بلند، اپنے کیمپ کے بیچ میں کھڑا تھا کہ چاروں طرف سے ایک ہی آواز سنائی دی "مولوی" "مولوی" "پھر وہی مولوی" مولوی احمد شاہ کی سرگرمیوں کی خبریں برٹش کیمپ کے سپاہیوں میں پھر گشت لگانے لگی تھیں۔

اس وقت شاہجہاں پور میں مولوی ایک عجیب و غریب منصوبہ تیار کر رہا تھا۔ سرکولن سے کترا کر نانا صاحب اور مولوی نے شاہجہان پور کو محض لڑائی سے بچنے کے لیے چھوڑا تھا۔ نانا صاحب کے فرمان پر ساری سرکاری عمارتیں ڈھا دی گئی تھیں کیونکہ ان لیڈروں کی دوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ انگریز کمانڈر بریلی کی طرف کوچ کرنے والا ہے اور وہ شاہجہاں پور کی حفاظت کے لیے کوئی مضبوط انتظام نہ کر پائے گا۔ اس لیے انھوں نے طے کر لیا تھا کہ جب وہ روانہ ہو جائے گا تو مولوی احمد شاہ گھوم کر واپس لوٹ آئیں گے اور شہر پر حملہ آور ہو کر انگریز فوج کو تہس نہس کر ڈالیں گے۔ اس طرح بریلی کی ہزیمت کا بدلہ لے لیا جائے گا۔

سارے اقدامات توقع کے مطابق سامنے آئے۔ انگریز دستہ بغیر معقول حفاظت کے شاہجہاں پور میں مقیم تھا۔ عمارت نہ ہونے کی وجہ سے یہ کھلے میدان میں پڑا ہوا تھا۔ ۲۰ مئی کو بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مولوی احمد شاہ شاہجہان پور کی طرف بڑھے مگر افسروں کی

غلط تجویز پر شہر سے چار میل پرے سانس لینے کے لیے فوج کو روک لیا گیا۔

یہ چند ساعتوں کے لیے فوج کا راستہ میں سستانا ہی غضب ہو گیا۔ انگریزوں کے ہندوستانی جاسوس تاک میں تھے۔ انھوں نے بھانپ لیا اور ایک نے بھاگ کر کرنل ہیل کو شاہجہاں پور میں خطرہ سے آگاہ کر دیا۔ وہ چوکنا ہو گیا اور کھلے میدان ہی میں قلعہ بندی کی طرح مناسب انتظام کر لیا۔ مولوی کی فوج کا دباؤ بڑھتا آرہا تھا اور غنیم احتیاطی تدابیر مکمل کر چکا تھا۔ تاہم مولوی نے حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ بھی قبضہ میں لے لیا۔ پھر شہر کے متمول لوگوں پر فوج کے اخراجات کے لیے ٹیکس مقرر کیا جو جنگی قواعد کے مطابق تھا۔

سر کالن کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ خوش تھا۔ چند روز قبل وہ اپنے شکار کو پھانسنے میں بُری طرح ناکام رہا تھا۔ اب قدرت نے دوسرا موقع بہم پہنچا دیا تھا، چنانچہ پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ وہ تیزی سے مارچ کرتا ہوا ادھر روانہ ہوا تاکہ پھر سے شکار نشانے سے نہ ہٹنے پائے۔ یہ بات صاف نظر آرہی تھی کہ اس بار مولوی کے لیے راہِ فرار مفقود تھی۔

۱۱ مئی سے ۳ دن تک مقابلہ کی لڑائی ہوتی رہی۔ چاروں طرف سے انقلابی لیڈر اپنی اپنی سپاہ لے کر دوڑ پڑے تاکہ اس مقبولِ خاص و عام اور عظیم فدائے وطن ساتھی کو بچا سکیں۔ اودھ کی بیگم، متین صاحب۔ محمدی کا بادشاہ، شاہزادہ فیروز شاہ۔ ناناصاحب فرنولیس۔ ۱۵ مئی سے پہلے موقعِ واردات پر آچکے تھے۔ اور کیسے نہ آتے کہ شاہجہاں پور میں آزادی کا جھنڈا خطرہ میں تھا۔

فوجی طاقت میں اضافہ ہو جانے پر مولوی میں تازہ روح سرایت کر آئی تھی اور وہ شاہجہاں پور سے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں دشمنوں سے جنگی محاسبہ کرتا۔ انگریزوں کی وقتی سراسیمگی سے فائدہ اٹھاتا اور فوجی جال کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا جس میں اس کو پھانسنے کا انتظام تھا۔ وہ ہر خطرہ سے نکل آیا تھا۔ اس مرتبہ سر کالن کو مولوی کو گرفتار کرنے اور انقلابی جماعت کی سرکوبی کا اس قدر یقین تھا کہ اس نے فوجوں کو منتشر کر دیا تھا۔ تشویش یہ تھی آخر مولوی کدھر گیا۔ اُدھر وہ اودھ میں داخل

ہو چکا تھا یعنی خاص اس صوبہ میں جہاں سے پوری ایک سال کی فوجی مہم کے بعد اور سخت جانی نقصانات برداشت کر کے اس سے گلو خلاصی حاصل ہوئی تھی۔ سرکالن نے اودھیا کو فتح کیا تو مولوی نے روہیلکھنڈ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب سرکالن نے روہیلکھنڈ کو لیا تو مولوی پھر گھوم کر اودھ میں آدھمکتا ہے۔

برطانوی طاقت مولوی کو اپنے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتی تھی۔ اس کا سدباب بہرحال ضروری تھا۔ انگریزوں کی تلوار نے پہلے کبھی ہندوستان کے فسادات میں ایسی پسپائی نہ دیکھی تھی مگر وائے قسمت! جو کام انگریز کے لیے اب تک ممکن نہ ہو سکا تھا وہ خود ہندوستانیوں کی غداری نے پورا کر دکھایا۔

اودھ میں داخل ہونے کے بعد سے مولوی نے انگریز کے خلاف مدافعانہ کارروائیاں عموماً جاری کر دی تھیں۔ اس میں یہ کوششیں بھی شامل تھیں کہ قریب کے باافر ہندوستانیوں کو آزادی کی جدوجہد میں عملاً شامل کر لیا جائے تاکہ مستقبل کی دشمن کی جارحانہ سرگرمیوں پر قابو پایا جا سکے۔ اس غرض سے مولوی نے اسی نواح میں پوائن کے راجہ سے بھی رجوع کیا یہ ایک چھوٹا سا تعلقہ تھا مگر اس وقت مختصر سی اعانت مل جانا بھی غنیمت معلوم ہوتا تھا۔

چنانچہ بیگم حضرت محل کی طرف سے اس مضمون کا ایک سربمہر مراسلہ اس راجہ کے پاس بھیجا گیا۔ مکتوب الیہ شرکتِ جنگ کی دعوت دیکھ کر ہی خوفزدہ ہو گیا۔ بزدل ہونے کے ساتھ وہ غداری کے کمینہ جذبہ سے بھی عاری نہ تھا۔ جواب میں اس نے لکھا کہ تفصیلی گفتگو کے لیے مولوی سے ملاقات ضروری تھی۔ مولوی کو کیا تامل ہو سکتا تھا وہ راجہ سے ملاقات کے لیے پوائن جا پہنچے، مگر ان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ قلعہ کے سب دروازے بند تھے اور قلعہ کی دیواروں پر حفاظت کے واسطے مسلح سپاہی تعینات تھے۔ مولوی نے ہاتھی کے مہنت سے دروازہ کے قریب چلنے کو کہا تاکہ داخلہ کی کوشش کی جائے اسی دوران میں راجہ کے بھائی نے ان پر بندوق داغ دی۔ اور مولوی احمد اللہ شاہ کو اس غدار کے ہاتھ سے شہادت نصیب ہوئی۔

گویہ اندام راجہ اور اس کا بھائی فوراً باہر نکل آئے اور ان میں سے ایک نے مولوی کی مردہ لاش کا سر تن سے جدا کر دیا پھر سر کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر وہ اپنے اس تحفہ کو انگریز ریذیڈنٹ کے ایک قریبی تھانہ میں لے گئے اور جب اس کو کپڑے سے کھولا اور اپنی وفاداری کی نشانی کو آگے بڑھانے لگے تو حبِّ وطن کا یہ انمول خزینہ انگریز افسروں کے پیروں میں لڑھکتا ہوا اب بھی اس میں سے خون جاری تھا۔ اس سر کو کوتوالی میں نمایاں جگہ پہ آویزاں کر دیا گیا۔ یہ ایسے دشمن کا سر تھا جو انگریزوں کے خلاف غیر معمولی بہادری اور جانبازی سے لڑا تھا۔ پودوں کے راجہ کو اس کی غداری کے عوض پچاس ہزار روپیہ کا اعلان کردہ انعام ضرور ملا۔

جوں ہی اس موت کی اطلاع انگلستان پہنچی وہاں گھی کے چراغ جل گئے۔ انگریزوں نے بڑے اطمینان کا سانس لیا۔ عام ردِّ عمل یہ ہوا کہ شمالی ہندوستان کے برطانوی دشمنوں میں سے ایک ناقابل تسخیر دشمن کیفرِ کردار کو پہنچا۔ جسمانی طور پر مولوی احمد اللہ شاہ دراز قد انسان تھے۔ چھریرا بدن مگر مضبوط سراپا رکھتے تھے۔ بڑی اور گہری روشن آنکھیں تھیں۔ ہلالی بھنویں، ستواں ناک ان کے چہرہ کو پُر وقار بناتی تھیں۔ اس شجیع مسلمان کی زندگی اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اسلامی عقائد اور ایمان باللہ کا جذبہ کسی طرح حبِّ وطن کے منافی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ سچا ایمان رکھنے والا مسلمان ملکی فلاح و بہبود پہ جان دینا بھی عین ایمان اور وجہِ فخر و مباہات تصور کرتا ہے۔ انگریز مؤرخ مالیسن نے بھی مرحوم کی مجاہدانہ حیات اور موت پہ خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"مولوی ایک غیر معمولی انسان تھا۔ ان کے اعلیٰ جنگی کارنامے جو جنگِ بغاوت میں ظہور میں آئے ان کی عظمت کا ثبوت ہیں۔ ایسا دوسرا شخص کون تھا جس نے انگریز کمانڈر انچیف جیسے عظیم المرتبت سر کالن کیمبل کو میدانِ جنگ میں دو بار ناکام کیا ہو۔ اگر ایسے شخص کو فدائے وطن کہا جا سکتا ہے جو اپنے ملک کے غلام بنائے جانے کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے لیے سازشوں اور جنگ میں نمایاں حصہ لیتا ہے تو یقیناً مولوی ایسا ہی مجاہد تھا۔ بے وجہ

[illegible] سے اس کی تمنا کبھی ناتمام نہ ہوئی۔ وہ مردانہ وار لڑا اور آزادی کے عظیم مقصد کے حصول میں اس نے اپنا سر بھی پیش کر دیا۔ اس کی ذات اور کارنامہ ان کرچوں عزت و احترام ملنا چاہیے جو بہادروں کو بغیر تفریقِ مذہب و ملت دیا جاتا ہے۔"

تصوف اسلامی کے موضوع پر

ایک مختصر، جامع اور عالمانہ کتاب

چشتی تعلیمات

اور عصرِ حاضر میں اُن کی معنویت

مصنفہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ۔ (دہلی یونیورسٹی)

شائع کردہ: اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی، نئی دہلی ۲۵

قیمت ساڑھے نو روپے ۔ اعلیٰ درجے کی عکسی طباعت:

اس کتاب میں اسلامی تصوف کے مقصد، منہاج اور تعلیمات کا خلاصہ دلکش اور مدلل انداز میں پیش ہوا ہے۔ اس کا مطالعہ بہت سی دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ملنے کا پتہ:

دفتر برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶